ہوا کا سمندر اور تخلیق کا ساحل

ڈاکٹر نثار ترابی

ABSTRACT:

During the decade of 80s among the poets who gained outstanding fame in free verse and prose poetry, Farrukh Raja's name is quite distinguished. Hailing from a legendary family, he has won accolades from the literary circles for his illustrious style and unique hues of poetry. The subjects of his poetry range from the stark facts of life, to the ground realities of society and the relationships and attitudes attached thereto. Literary magazines such as Fanoon, Auraaq, Nairangay-Khial, Mahaynou, Takhleeq and Adbiaayat have published his poetry. His first poetry collection "Shajaray tayyab kay saayay mein" was given warm reception.

۱۹۸۰ءؔ کی دہائی مینجدیدآزاد اور نثری نظم مینجن شعراء نے اپنا ایک الگ مقام اور اعتبار حاصل کیا ہے ان میں ایک نام فرخ راجا کا بھی ہے۔ فرخ راجا کا شمار ایک معروف علمی و ادبی خانوادے سے ہے۔ انہوں نے آزاد نظم میں اپنی انفرادیت قائم کی ہے ان کے ہاں جن موضوعات کو خصوصی طور پر پیشِ نظر رکھا گیا ہے ان میں انسانی زندگی اور انسانی سماج سے جڑے ہوئے حقائق کی بازیافت کی جھلک نمایاں ہے۔ انسانی روّیے اور تعلقات کے پس منظر میں بھی ان کا داخلی روّیہ، جدید تر شعری اسلوب کی نمائندگی کرتا ہے۔ فنون، اوراق، نیرنگ خیال، سیپ، ماہِ نو، تخلیق اور ادبیات سمیت ملک کے متعدد ممتاز ادبی جرائد میں اُن کا کلام اشاعت پذیر ہوتا رہتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ان کے فکر و فن کے مختلف گوشوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ان کا اوّلین شعری مجموعہ ’’شجر طیب کے سائے میں‘‘ کے عنوان سے قبل ازیں شائع ہوچکا ہے۔ مذکورہ جائزے میں ان کے نئے شعر ی مجموعۂ ’’ہوا کا سمند ر‘‘ میں شامل نظموں کو بطور خاص موضوع بنایا گیا ہے۔

جدیداردو نظم بامعنی استعاروں‘ دل نشیں لمحوں‘ حسین تمثیلوں اور پر کشش علامات سے مالا مال ہے۔ ’’ہوا کا سمندر ‘‘ میں ہوا، سمندر اور ساحل کی تکون نے مناظر فطرت کو جو تخلیقی زاویے بخشے ہیں انہیں نظم کی جدید شعری روایت میںنظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ شاعری جن مناظر کو لفظوں کا پیراہن عطا کرتی ہے وہ دل کے کسی گوشے میں جذبوں اور حساس لمحوں کی عکاسی کرتے ہیں تو باطنی کائنات مسکرا اُٹھتی ہے۔ فرخ راجا کے ہاں ان کے تازہ شعری مجموعے ’’ہوا کا سمندر‘‘ میں ہوا کی علامت کو زندگی کی اساس قرار دیا گیا ہے او ر اس کی مختلف تمثالوں کوزندگی کے حاشیے میں کئی رنگوں میں بکھیرا گیا ہےساحل پہ ایک شام، ہوا کا سمندر، ہو اکا رقص جاری ہے، ہواؤں کے مقدس قافلے، ہوا سے پوچھا میں نے، بادِ صبحِ گاہی اور دروازے پر دستک دینے کون آیا ہے۔ایسی

نظمیں ہیں جن میں تخلیقی وجدان کو روحانی اندازِ نظر سے دیکھنے اور دکھانے کی جستجو ملتی ہے۔ ساحل کے لیے، سمندر تند خُو بادل کے ٹکڑوں کی طرح اپنے کناروں پر برستا ہے۔ سرِ ساحل سمندر کا تماشا دیکھنا، سمندر کا ویران ساحل، حافظے کا سمندر اور ہوا کا سمندر ایسی علامتیننو بہ نو معنوی اشارے لیے ہوئے ہیں جب کہ سمندر کی علامت، بے تاب سمندر، سوچ کا سمندر جیسی علامتوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرخ راجا کے ہاں تخلیقی سطح پر ہوا کا سمندر اور تخلیق کا ساحل آپس میں گلے مل رہے ہیں۔

فکر و نظرکی سطح پر اپنے مطالعے' مشاہدے اور وجدان کی بدولت قرطاس کے سینے پہ حرف رقم کرنے والے آج کے شاعروں اور ادیبوں میں فرخ راجا اپنی ایک منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ان کی زندگی کا اسلوب محبتوں کا ترجمان اور ان کے متبسم لہجے میں ان کے حرفوں کی گل رنگ کائنات اُن کے نگار خانۂ سخن میں سجی اُن کی تخلیقی زندگی کے چہرے کو غازہ عطا کرتی ہے۔ ایک طرف اُردو کی تدریس میں اُن کے بانکپن کا اعتراف ان کے گہرے مطالعے کی تہ داری مینچھلکتا ان کے فنی استعداد کی گواہی بنتا ہے تو دوسری طرف ان کا مشاہدہ ذات سے کائنات تک کے بعض مسائل اور معاملات پہ توجہ مرکوز کرتے ہوئے نظمیہ اظہار کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔

انہوں نے نعت، منقبت، سلام اور غزل کے ساتھ ساتھ نظم کی صنف میں اپنے تخلیقی اظہار کو کئی دلکش رنگ بخشے ہیں۔ تخلیقی سطح پر اظہار کے یہ قرینے ہماری موجودہ عصری حسّیت کی وہ زندہ گواہیاں ہیں جو ہمارے ارد گرد بکھری ہوئی ہیں اور جن سے ہمیں اپنی روز مرہ زندگی میں سامنا کرنا پڑتا ہے۔ علم و ادب سے شیفتگی کا یہ فیضان شاعر کو خاندانی ورثے کے طور پر عطا ہوا ہے۔ ان کے والد گرامی حضرت جوہر نظامی کاشمار اردو شعری جہاں کی مقتدر ادبی شخصیات میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے بڑے بھائی حسن اختر جلیل ایک صاحب طراز شاعر کے طور پور غزل گو شعراء میں اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔ آفتاب راجا اور مظفر حسن منصور بھی فرخ راجا کے ٰحقیقی بھائی ہیں جو شعر و ادب کے میدان میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ یوں سخن سرائی کے باب میں اپنے ہی گھرانے میں فرخ راجا وہ تخلیق کار ہیں جو پانچویں نمبر پر آتے ہیں۔ پانچویں نمبر سے یاد آیا کہ یہ سچے اور کھرے پنج تنی ہیں اور اس ادبی گھرانے کو یہ ادبی اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان پانچوں شاعروں نے جہاں نعتیہ ادب کی پیش کاری کی سعادت حاصل کی ہے وہاں سلام اور منقبت پر مشتمل شعری مجموعوں کے شاعر بھی کہلائے ہیں۔ ''شجرِ طیب کے سائے میں'' کے نام سے فرخ راجا کا اوّلین شعری مجموعہ اس امر کا واضح ثبوت ہے جو ۲۰۰۹ء میں اشاعت پذیر ہوا اور جس پر بات کرتے ہوئے ممتاز نعت گو شاعر جناب بشیر حسین ناظم نے بجا طور پہ کہا تھا کہ:

''فرخ راجا فکرِ رَسا رکھتے ہیں۔ دینِ حق کے اسرار کی طرف ان کے اشارے اور عالمِ بالا کی جانب ان کے استعارے نعت گوئی میں انہیں منفرد بناتے ہیں''۔ (۱(

فرخ راجا اپنے خاندانی پسِ منظر اور شعری ذوق پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''شاعری مجھے ورثے میں ملی ہے۔ والد محترم قبلہ جوہر نظامی صاحب اپنے نام اور کام کے حوالے سے کسی تعارف کے محتاج نہیں، غزل کے میدان میں وہ ایک مانے ہوئے شاعر تھے۔ غزل

کی ہر تنقید میں اُن کا نام موجود ہوتا ہے۔ اُن کی زندگی میں ہی اُن کے کام اور شخصیت کے حوالے سے ایک ادبی جریدے نے ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا تھا۔ اس میں اپنے وقت کے معروف شعراء کرام نے اُن کے فن کے حوالے سے لکھا تھا۔ اُن کا حلقۂ احباب ہمیشہ نام ور ادبی شخصیات سے آباد ہوا کرتا تھا۔ بڑی بڑی ادبی شخصیات وقتاً فوقتاً باباسے ملنے ہمارے گھر آیا کرتی تھیں۔ اُن میں وزیرآغا صاحب ' عبدالحمید عدم صاحب کے علاوہ درجنوں قادرالکلام شاعر شامل تھے۔ حسن اختر جلیل اور آفتاب راجا میزبانی میں پیش پیش ہوتے تھے۔ اسی زمانے میں شکیب جلالی اور شہزاد احمد بھی بسلسلۂ ملازمت جوہرآباد آگئے تھے۔ شکیب جلالی کا گھر ہمارے گھر کے سامنے تھا' میرے متعلق شکیب جلالی نے بچپن میں پیشین گوئی کی کہ یہ شاعر بنے گا۔'' (۲(

''ہوا کا سمندر'' جناب فرخ راجا کا دوسرا شعری مجموعہ ہے جس میں اُن کے تخلیقی اظہار کی سب سے واضح شناخت یعنی نظم کی صنف کو وسیلہ بنا کر شعری صدا بلند کی گئی ہے۔ شاعر کے دل میں لَو دیتے جذبے جب حرفِ دل بن کر لبوں پر آتے اور اپنے چہارسُو کو روشنیاں بخشتے ہیں تو بلا شبہ یوں لگتا ہے کہ جیسے شاعر نے بڑے التزام اور رچاؤ کے ساتھ اپنا مطالعہ، مشاہدہ اور مجاہدہ پیش کیا ہے۔ تخلیقی اظہار کے ان لمحوں میں وہ جس فنی پختگی کا اظہار کرتے ہیں اسے دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی شاعری میں روحِ عصر کا انعکاس جھلکتا ہے اور اس روحِ عصر میں ان کا وجدان ہی ان کا رفیقِ سفر ہے یہی وجدان جو ان کے گیان اور دھیان کی کئی سمتیں ہم پروا کرتا چلا جاتا ہے۔اس وجدانی کیفیت کی بدولت اُنہیں اپنے آس پاس پھیلے منظروناور بکھری ہوئی چیزوں میں آنکھوں کی بستی کی رونق دکھائی دیتی ہے لیکن ذرہ جب کائنات کی پنہائیوں میں گم ہوتا ہے تو ہمیں ایک نئے جہان معانی سے آشنائی ہونے لگتی ہے۔

بکھری چیزیں، پھیلے منظر
آنکھوں کی بستی کی رونق
پانی، مٹی اونچے پربت
آتے جاتے سورج کی چمکیلی کرنیں
پھیلی زنجیروں کے دامن میں بل کھاتے
چاند ستارے..... (''میننے مانا''، ص ۱۵(

یہ روزن، شاعر کی فکری ذوق اور ارتقاء کے ایسے دھاروں کی نشاندہی کرتا ہے جس کے پس منظر میں سر بستہ رازوں کے گہرے بھید جاننے کی تمنا سر اٹھاتی ہے اور ان امیدوں کی آشنائی اسے کائنات میں اپنی حیثیت اور مقام کے تعین میں مدد دیتی ہے۔ یہی تفکر ان کے ہاں اپنی ذات میں جھانکنے اور ان گنت سوال اٹھانے کا موجب بھی بنتا ہے اور آپ تو جانتے ہیں کہ جس شاعری میں سوال اٹھائے جاتے ہیں اس کے بامعنی اور بامقصد ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ''ہونے کی جستجو میں'' ایک ایسی نظم ہے جس میں سوال کا یہی احساس پوشیدہ ہے۔

ہونے کی جستجو میں
کتنی مسافتیں ہیں، کتنی اذیتیں ہیں

یہ جسم ایک علامت، پہچان کا حوالہ
اوصاف کے سبب سے
ہیں آئینے کی رونق
کچھ رنگ پیرہن کے
کچھ نقش خال و خد کے ’)ہونے کی جستجو میں‘‘، ص۵۵(

دیکھا جائے تو یہ وجدان ہی ہے جو گیان دھیان کی راہوں کی طرف ہمیں لے جاتا ہے اور ان بھیدوں اور سر بستہ رازوں کے بند دریچوں پر دستک دیتا ہے۔ جو اپنے کھلنے کی تمنا لیے ہمارے اندر ایک نورکی کرن بن کر اترتے اور پھر اپنے ہونے کے احساس میں لپٹی خوشبو میں کہیں عازمِ سفر ہوتے ہیں۔ فرخ راجا نے اس نور کی کرن کی آرزو میں اپنے من میں پھوٹنے والے چشمے کا آبِ حیواں پی کر آگے بڑھتے جانے کی جس جستجو کو اپنی شاعری میں سمویا ہے یہ ہمارے معاصر عہد کی دریافت بھی ہے اور شاید یافت کی طرف آبلہ پائی کا مجسم حوالہ بھی۔ آبلہ پائی کے اسی مجسم حوالے سے ان کی شاعری میں جگمگاٹیں بھی در آئی ہیں اور نرم روی کا دریچہ بھی وا ہوا ہے۔ اس پیرائے میں مظاہر کائنات کو دیکھتے ہوئے فرخ راجا ایک ایسے تخیل آفریں لمحے کی صورت گری کرتے ہیں جو ان کا باطنی مشاہدہ بن کر ہمارے رو برو آتا ہے۔ اگر چہ اس میں عصر حاضر کا کرب بھی کروٹیں لے رہا ہے۔

معاصر عہد کا یہ کرب ہماری زندگیوں پر چھائی ہوئی مایوسیوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور ہمیں حوصلہ بھی دیتا ہے۔ شاعری میں جینے کی تڑپ ایک نئے ولولے کے ساتھ ہم سے ہم کلام ہوتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو شاعر کا رجائیت بھرا لہجہ اپنے اصل کے آس پاس پھیلی ہوئی زندگی کے چہرے کی تابناکیوں پہ چھائی ہوئی اداسیوں اور بے مرادیوں کے کسی بھید کی طرف اشار ہ بھی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ نظم کی موضوعاتی بنت کاری میں زمینی حقائق اور عصری صداقتوں کی تلاش فکرِ فرخ کا ایک نمایاں تخلیقی رویہ ہے۔ شاعر کے ہاں شاعری کے تقاضوں کے پیش نظر کسی بھی بات کو براہ راست اور سپاٹ انداز میں بیان کرنے کے بجائے پیرایہ اظہار کا ایمائی انداز اپنا گیا ہے اور الفاظ کے چناؤ میں بھی اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ کہیں کسی بھی نظم کے مرکزی موضوعاتی دائرے کو پھیلاتے اور پھر اسے مرکز پر لاتے ہوئے موضوع کی مرکزی حیثیت بھی برقرار رہے اور لفظ کے استعمال کی کھردری سطح کا شکاربھی نہ ہونے پائے۔ ان نظموں کے باہمی مصرعوں میں ایک خاص نوع کا صوتی نظام برقرار رکھ کر نظم ایسی کومل صنف کو شاعر نے بھاری بھر کم ہونے نہیں ہونے دیا۔ نظم کی سطح پر یہ ایک ایسا فنی برتاؤ ہے جو جدیدنظم گو شعرا کے ہاں کم کم ہی دیکھا گیا ہے۔ اپنی نظموں کوکومل لفظوں کی غنائیت مینڈھالنے کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے وہ زیرِ نظر شعری مجموعے پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’آزاد نظم بحر کی مخصوص لَے پر خراماں خراماں سفر کرتی ہے اور طبیعت رواں ہو تو مصرعے ایک دوسرے میں یوں پیوست دکھائی دیتے ہیں کہ قاری موسیقی کی مدھم سروں کا لطف

محسوس کرتا ہے۔ کبھی کبھی لفظوں کی روانی بھاری بھر کم اجنبی الفاظ سے ہچکولے کھانے لگتی ہے۔ لفظوں کا انتخاب ہی یاد گار نظموں کی اساس ہے''۔(۳(

شاعر کے ہاں بعض مختصر نظموں میں تفکر اور تحیّرکی بامعنی آمیزش نے موضوعاتی تازگی کوبہت قابلِ مطالعہ بنادیا ہے۔

دن کاچہرہ اداس لگتا تھا
ڈھلتے سورج نے کچھ کہا شاید
رات بھی پھوٹ پھوٹ کر روئی ''(اداسی''، ص۵۶(

شاعر ہمیشہ اپنے ارد گرد جیتی جاگتی زندگی کو جس طرح دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور جس طرح کے احساسات ومسائل میں گھری زندگی کی تلخیوں کو سہتا ہے اس کا شاعری میں اظہار پانا ایک لازمی امر ہے لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ ''ہوا کا سمندر'' کے پیش کار فرخ راجا جس طرح سے زندگی کی چہرے کو مطمئن، آسودہ اور سرشار یوں کی تمنا میں سدا جگمگانا دیکھنا چاہتے ہیںاُسے کس دل نے کس تمنانے اپنے چراغوں سے روشن نہیں کیا۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ اس کے جابجا حوالے ہماری معاصر شعری دنیا کے مختلف ادوار میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ فرخ راجا نے اس تناظر میں ایک انکشاف سے کام لیتے ہوئے ہمارے دور کے رنج و الم کی ایک تصویر یوں رقم کی ہے کہ لگتا ہے کہ وہ روحِ عصر کے باطن مینکروٹیں لیتے درد کی آہٹوں کو بخوبی جانتے پہچانتے ہیں۔

ہجر کا غم بھی کم نہ تھا لیکن
تجھ سے مل کر یہ انکشاف ہوا
درد کے ذائقے بہت سے ہیں ''(انکشاف''، ص ۵۸(

فرخ راجا کے ہاں محبت کا لَو دیتا احساس ان کی ان بامعنی نظموں کی اساس بن کر صفحہ بہ صفحہ یم بہ یم آرزوئے خواب لیے چھلکتا مچلتا آگے بڑھتا ہے جب وہ یہ کہتے ہیں:

ساری رات
میں اپنے دل کے کواڑ پہ دستک دیتا ہوں
میری آنکھوں کے اوراق
کھلے رہتے ہیں
جانے کیوں؟ ''(رت جگے''، ص ۴۷(

یوں لگتا ہے کہ جیسے اس بے نام سے احساس کو کوئی نام دینا ابھی بھلا نہیں لگتا مگر جب یہی جذبہ اس طرح کی صورت اختیار کرتا ہے تو رنگ نئے انداز سے محبت کی بلائیں لینے لگتے ہیں۔

کب اسے فکر تھی بھلا اپنی
خود تو کانٹوں پہ چل رہی تھی مگر
پھول میرے لیے خرید لیے ''(محبت''، ص ۵۸(

ایسے میں ہم پہ یہ راز کھلتا ہے کہ یہ محبت کا ایک دل نشیں احساس ہی تو ہے جو ذات کی پنہائیوں سے لے کر کائنات کی بے کرانیوں تک پھیل گیا ہے۔ محبت یوں تو ایک ایسی خوشبو کا نام

ہے کہ یہ جب کسی وجود میں اپنے ہونے کا اعلان کرتی ہے تو اس کے ہر موئے بدن سے ایسی سرمست کردینے والی بادِبہاری چلنے لگتی ہے جس پر عشّاق بے خود ہو کر ایسی دھمال ڈالتے ہیں کہ محبت کے فکری جذبے اور اس جذبے میں پوشیدہ عظمتوں پر یقین پختہ ہوجاتا ہے۔ دوسری جانب محبت کا یہی جذبہ جب فرقتوں اور وصل کی شادکامیوں کی بجائے ہجر و فراق کی تپتی دھوپ میں جھلستے ہوئے اپنے ہونٹوں پہ پیار کا جنگل اگتا دیکھتا ہے تو اداسیوں کا مقدر بن جانا سمجھ میں آتا ہے۔ فرخ راجا نے یہ زہر بھرا پیالہ سقراط کی طرح پیا ہے۔

روز تازہ وضاحتوں کے ساتھ
جھوٹ پر سو طرح کے پردے ہیں
آج بھی سچ میں کتنی طاقت ہے ''(تردید''، ص ۶۳(

یہ اظہاریے آج کے انسان کے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کی کہانی کہتے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ کہانی نئی کہانی نہیں ہے۔ صدیوں سے انسان یہ سب سہتا اور خوشی کی آس میں ہر آنے والے دن کو گلے لگاتا آگے بڑھ رہا ہے لیکن اس کے آگے بڑھتے ہوئے قدم پچھلے دن کے آنسوؤں میں بھیگی رات کوبھول کر اور ہونٹوں پر بسی مسکان کو ساتھ لیے اگلے دن کا خیر مقدم کرتے ہینکہ پیٹ کا جہنم تو بہرحال بھرنا ہے۔

چل پڑے رزق کی تلاش میں ہم
دن کی اندھی روش کو کیا معلوم
رات بھر سو نہیں سکے ہیں ہم ''(رت جگا''، ص۶۲(

جب ہم اس طرزِ احساس کی حامل نظمیں پڑھتے ہیں تو ہم پر فرخ راجا کے عہد کے گراں بار ایام کے شب و روز کا حال کھلتا چلا جاتا ہے۔ شاعر فقط اپنے احساس ہی کوپیشِ نظر نہیں رکھتا بلکہ آنے والے کل کے دامن میں ہمارے آج کی آبلہ پا زندگی کی سچائیوں کو بھی مدنظر رکھتا ہے:

خوشبوؤں کو سمیٹنا چاہا
پھول چننے گیا تھا آنگن میں
میرے بچے کا ہاتھ زخمی ہے ''(تلاش''، ص ۵۶(

آس اور نراس کے درمیان یہ دربدری اور مسافت ہمارے عہد کا مقدر تو ہے مگر ہمارے شاعروں نے اس خزاں رت کے پیلے رخساروں میں نئی بہاروں کی آمد اور تازگی بھری سانسوں کی نرمی میں گھلی ملی رعنائیوں کی جھلک بھی دیکھی ہے اور فرخ راجا کے ہاں ان کی کئی نظموں میں امید کا موسم جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔

اپنے دل کے آسماں پردیکھنا...پھر دیکھنا
رقص کرتے
چند جگنو چند تاروں کی ضیاء
کھلکھلاتی سی
شفق رنگوں میں ڈوبی

روشنی...مسکراتی روشنی ''(کرنوں کے ساتھ ساتھ''، ص ۸۴(

فرخ راجا کی فکر انگیز نظمیں فنی جمالیاتی اظہار کی خوبی سے مالا مال ہیں۔ ان میں بیان کی رعنائی، خیال کی تازگی، مشاہدے کی گہرائی اور اسلوب کی ایسی کوملتا رچی بسی ہے کہ آغاز سے انجام تک یہ قاری کو اپنے بہاؤ میں ساتھ لیے رکھتی ہیں۔ اسی شعری اظہار کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا نے فرخ راجا کو''اردو شاعری کا زیرک نظم نگار''(۴) کہہ کر مخاطب کیا۔ تخلیقی سطح پر ان کے فن کے یہ پہلو اُن کی نظموں کا حصہ ہیں۔ڈاکٹر احسان اکبر نے فرخ راجاکی موضوعاتی بنت کاری کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''فرخ راجا سادہ اسلوب میں بات کرتے ہیں۔ Matterکا تسلسل ان کی آزاد نظم کا خاصہ ہے۔ مصرعہ کی تشکیل کو وہ منطقی معنویت دیتے ہیں۔ غیر منطقی سطح پر مصرعہ توڑتے نہیں۔ اس ناطے ان کے ہاں ایک روانی لفظ ہے جو روانی معنی سے ہم قدم ہے۔''(۵(

جب کہ افتخار عارف کے خیال میں

''فرخ مضامین تازہ کی جستجو میں رہتے ہیں اور ان کی بیان میں بھی ندرت اور انفرادیت پائی جاتی ہے۔وہ زبان کی تخلیقی استعمال کے تمام قرینوناور سلیقوں سے پوری طرح واقف ہیں۔''(۶(

ان کی پیش کردہ موضوعاتی نظموں میں مشاہداتی نظر خیال کی فکری رو میں ڈھل کراظہار کے ایسے قرینے تراشتی ہے کہ انہینپڑھ کر قاری تادیر مطالعاتی سرشاری محسوس کرتا ہے۔ ان کے ہاں لفظ کے انتخاب میں کومل جذبوں کے شعورانہ احساس کا ادراک قدم قدم پر ملتا ہے رشید نثار نے ان کی نظموں کو موضوع بحث بناتے ہوئے لکھا ہے کہ:

'' فرخ راجا ‘ناگوار حالات میں اپنے اطمینان کو قائم رکھتا ہے۔یہ بات یوندرست ہے کہ ان کی نظمیں سنجیدہ طرز فکر و خیال کی عکاس ہیں اور اپنے معیار اور بلندی کو قائم رکھتی ہیں۔''(۷(

ہوا کا سمندر میں شامل نظمیں اپنے موضوعاتی تناظر مینجہاں عمومی عصری حسیّت کے نقش ابھارتی ہیں وہاں ان کی آفاقی سچائیوں کی یاد بھی تازہ کرتی ہینجو لمحۂ موجود میں انسانی معاشرت کا جیتا جاگتا اظہار ہیں۔ ان نظموں میں تنقید کا بیانیہ اسلوب اظہار کی سطح پر قاری کے مطالعہ کی نذر ہوا ہے۔ً دستک، تعلق، وقت ہی نہیں ملتا، ربط، تنہائی، انکشاف اور محبت وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جو رومانیت کے پس منظر میں تخلیق ہوئی ہیں۔ ان نظموں میں محبت ایسے فطری جذبے کی پکارانسانی رشتوں کے عقب سے سنائی دیتی ہے تو دل کے تار بج اٹھتے ہیں۔ جہاں منظر نگاری کے حسن نے شعری اظہار کو آئینہ خانہ کیا ہے وہاں بیانیہ کردار جیتے جاگتے انداز میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔'' ساحل پر ایک شام'' اور'' نیزہ بازی'' اس نو ع کے اظہار کا عمدہ نمونہ ہیں۔ انسان دوست رویے کی ترجمان نظمیں جیسے ''گروی رکھا ہے ہر اک لمحۂ جاں'' اور ''امن کی تلاش'' مینترقی پسندانہ افکار کی جھلک نمایاں ہے۔ شب تاب، جمود اور حاضری کے عنوانات سے مکمل ہونے والی نظموں میں صداقت آمیزحقائق کی اس طرح عکاسی کی گئی ہے کہ خیال اور حقیقت ایک تصویر کے دو رخ دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح''ہوا کا رقص جارہی ہے'' اور ''ورکنگ لیڈی'' بدلتی ہوئی اقدار کے اثرات کے پس منظر

میں کہی گئی نظمیں ہیں۔ شاعر نے اپنے عہد کے مسائل اور کرب کو اپنی آواز سے اس خوبی سے ہم آہنگ کیا ہے کہ انسانی درد مندی کی لہر فکری سطح پر ''ہوا کا سمندر''میں جذب ہو کر رہ گئی ہے۔

حوالہ جات:

)ا) بشیر حسین ناظم، ''اظہار خیال''، شجر طیب کے سائے میں، (شعری مجموعہ) حیات بخش ہال، فیض آباد، راول پنڈی: ۲۶/مارچ ۲۰۱۰ء

)۲(فرخ راجا، غلام محی الدین سے مکالمہ مشمولہ روزنامہ ایکسپریس(ادبی صفحہ) اسلام آباد، ۳۱/ مارچ ۲۰۱۶ء۔

)۳(فرخ راجا، ''کچھ اپنی باتیں'' مشمولہ، ہوا کا سمندر، اسلام آباد: بیلا پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء۔ص ۱۴

)۴(مکتوب، ڈاکٹر وزیرآغا، بنام فرخ راجا، سرگودھا، مرقومہ ۲۱ اگست ۲۰۰۲ء۔

)۵(ڈاکٹر احسان اکبر، سمندر کی سیر، مشمولہ، ہوا کا سمندر، ص ۹

)۶(افتخار عارف(پسِ سرورق) مشمولہ، ہوا کا سمندر۔

)۷(رشیدنثار، شجر طیب کے سائے میں (دیباچہ) مشمولہ شجر طیب کے سائے میں، اسلام آباد: بیلا پبلی کیشن، ۲۰۰۹ء، ص ۹

/...../